تنزیل و تاویل

تفسیر سورۂ اخلاص

از جناب مولٰنا عبد القدیر صدیقی

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ وہ اللہ ہے ایک ہے۔

کفار نے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ تمہارا خدا کیا ہے؟ اس کے صفات کیا ہیں؟ اس پر یہ سورت اتری۔

ھو۔ وہ۔ صرف اس کے لفظ پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ پہلا حرف ہ ہے جو انتہائے حلق سے نکلتا ہے اور دوسرا حرف واؤ ہے جو شفوی ہے، ہونٹوں سے نکلتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ ابتدا و انتہا سب کو محیط ہے، کوئی شئے اس سے خارج نہیں۔

چیزیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ واجب ممکن۔ واجب جس کا ہونا ضرور ہو۔ ممکن جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوں۔ اصلی اور بالذات (وہ) تو واجب الوجود ہے۔ ممکن کے ساتھ اگر واجب سے مخلوق ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے تو (وہ) کب رہتا ہے۔ کو بھی پھرتی ہے مگر جب کہ اس کے ساتھ ہاتھ کی قوت لگی ہوی ہو۔ ورنہ وہ بالطبع ساکن ہے، بے حرکت ہے۔

اصلی (وہ) تو سب کے آخر میں ہوگا۔ سب کا منتہا ہوگا۔ درمیان میں وسائط ہیں۔ علت یہ ہے کہ مقصود تو آخر کا (وہ) ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو روتا ہے، منہ کھول کھول کر چوطرف پھرتا ہے۔ جانتا ہے کہ کوئی ہے جو میرے کام آئے گا، میری فریاد سنے گا، مجھے دودھ دے گا۔ جیسا جیسا بڑا ہوتا جاتا ہے، ماں کو

دایہ کو رازق سمجھتا ہے۔ اور بڑا ہوتا ہے تو باپ کو رب سمجھتا ہے اور بڑا ہوتا ہے تو بادشاہ کیطرف توجہ کرتا ہے پھر عناصر پھر ستاروں کو اپنا محتاج الیہ جانتا ہے کے آخر میں تمام عالم کے محتاج الیہ سارے جہان کے معبود کیطرف رجوع کرتا ہے ہر قدم پر ایک کو معبود یا محتاج الیہ تعین کرتا ہے۔ اس تعین میں خطا کرتا ہے معبود کی طلب فطری ہے تعیین عقلی ہے جس میں غلطی نکلتی ہے جب تمام تعینات سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے تو اصلی اور حقیقی معبود کی طرف راہ نکل آتی ہے سمجھتا ہے۔ کیا سمجھتا ہے؟ بس یہ کہ وہ ہے۔ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ بس وہ ہے۔ "ہے" کا لفظ وجود پر دلالت ہے۔ وجود کیا ذہنی و عقلی بات ہے؟ نہیں، ذہنی و عقلی وجود سے ہماری اصلی غرض متعلق نہیں۔ ذہنی وجود ہمارے کس کام کا بے شک کوئی نفس الامر اور خارج میں ہے ذہنی وجود نفس الامری سے خبر دیتا ہے۔ اس کو صوفی ما بہ الموجودیت کہتے ہیں۔ وہ اگر نہ ہو تو سب جھوٹ ہوں، من گھڑت ہوں، خیالی پلاؤ ہوں، من کے لڈو ہوں۔ اسی ما بہ الموجودیت جھوٹ سچ، صدق و کذب کا دار و مدار ہے۔ واقعہ کچھ بھی نہ ہو اور خبر دی جائے تو بیشک خبر جھوٹی ہوگی۔ جو چیز واقعہ کے مطابق ہو، لاریب حق ہے، سچ ہے۔ آؤ ذرا غور کریں۔ زید ہے۔ عمرو ہے، گھوڑا ہے آم کا درخت ہے، سنگ مرمر ہے۔ فرشتہ ہے۔ ان سب میں کیا "ہے" کے معنی ایک ہی ہیں یا ہر جگہ جدا معنی ہے؟ سب "جگہ ہے" کے معنی ایک ہیں۔ زید عمرو، گھوڑے، آم کے درخت، سنگ مرمر، فرشتہ کو "ہے" سے ربط ہے۔ اگر "ہے" سے ربط نہ ہو تو نہ آم پائے جائیں نہ جام۔ سب خالی چیزیں رہ جائیں واقعیت سے کوسوں دور۔ نہ ان پر آثار مترتب ہوں، نہ احکام خارجی لگائے جاسکیں جب لفظ "ہے" تمام علوم میں ایک ہی معنی کے ساتھ ہے تو اس کا منشا بھی سب میں ایک ہی ہوگا۔ وہ کیا ہوگا؟ وہ "ہے" کا منشا ہوگا ما بہ الموجودیت ہوگا۔ اب ہم آئندہ "ہے" کی جگہ ہستی اور ما بہ الموجودیت، وجود یا وجود حقیقی لکھیں گے۔

کیا اس وجود سے پہلے کچھ ہوگا؟ "ہوگا" تو بتلا رہا ہے کہ وجود ہی ہوگا۔ کیا اس وجود کے بعد کچھ رہیگا؟ "رہے گا" بتلا رہا ہے کہ وجود ہی رہے گا۔

وجود تو ایک ہی شئے ہے۔ وجود سے پہلے وجود، یا وجود کے بعد وجود مہمل بات ہے۔ لہذا وجود ازلی و

ابدی ہے۔ کیا وجود کے مقابل کچھ ہے؟ "ہے" بتلا رہا ہے کہ وجود ہی ہے۔ وجود کے مقابل وجود بھی مہمل بات ہے۔ وجود کے مقابل کچھ ہو سکتا ہے تو عدم ہو سکتا ہے۔ عدم اور ہوتا! توبہ توبہ مہمل، بالکل مہمل۔

کیا وجود حقیقی کسی کا محتاج ہے؟ نہیں سب وجود حقیقی کے محتاج ہیں۔ ترتب آثار میں، جریان احکام میں، ہونے میں حقیقی شئے بننے میں۔

وجود بسیط اور واحد ہے یا مرکب اور اجزا روالا ہے؟ کل جز کا محتاج ہوتا ہے۔ اجزا کل سے پہلے ہوتے ہیں۔ وجود سب کا محتاج الیہ ہے۔ سب سے اس کا رتبہ مقدم ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شئے بسیط محض ہو وہ یا تو اجلی بدیہات سے ہوتی ہے، یا مایوس عن النظر ہوتی ہے۔ ہمارے خیال میں حقیقت حقہ ناقابل ادراک ہونے کے باوجود اجلی البدیہات سے ہے۔

سب میں شک ہو تو ہو، مگر وجود ایسا یقینی و قطعی امر ہے کہ اس میں کسی کو شک نہ ہونا چاہیے ہاں اس کو جتنا بیان کرنا چاہو گے وہ چھپتا ہی جائے گا۔ کیونکہ تمام معانی اس سے اخص اور اس سے مخفی تر ہیں۔ وجود ہی سب سے عام اور اجلی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جس کی حقیقت بیان نہیں ہو سکتی اس کی تعریف لوازم سے ہوگی خواہ اضافیات سے خواہ منفیات سے۔ لہٰذا ذات حقہ کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ وہ سب کا محتاج الیہ اور نقائص سے پاک ہے مستجمع جمیع صفات کمالیہ ہے۔ سب کی علت ہے کسی کا معلول نہیں۔ ان تمام معانی پر لفظ اللہ دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا ھُوَ اللّٰہُ احد۔ چونکہ ذات حقہ بالکل واحد ہے، بالکل بسیط ہے لہٰذا اس کی تعریف الوہیت سے زیادہ کسی اور لفظ سے نہیں ہو سکتی۔ اِلٰہ بمعنی مالوہ۔ یعنی معبود ہے۔ تالّہ یعنی تعبد (بندگی) سے ماخوذ ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں وہ ذات جس کی طرف بے قرار ہو کر دوڑیں یہ ماخوذ ہے اَلِہَ الفصیل الی امہ سے۔ یعنی اونٹنی کا بچہ بے قرار ہو کر اپنی ماں کی طرف دوڑا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں وہ ذات جس میں حیرانی ہو۔ یہ ماخوذ ہے تالہ یعنی تحیر سے۔ بعض کا یہ کہنا کہ الوہ یا

اس سے قریب المخرج لفظ کسی اور زبان میں ایک بت کا نام تھا، اس سے یہ لفظ عربی میں آیا محض لغو ہے۔ خدا کا خیال جاہل، عالم، متمدن، غیر متمدن، سب اقوام میں ہے۔ ضروری اور اصولی الفاظ غیر زبان سے نہیں لیئے جاتے، بلکہ واضع زبان ہی اس کو وضع کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ علمی ترقی کے ساتھ معنی و مفہوم میں کچھ تغیر ہوتا گیا ہو۔ مگر اس کا اشتقاق تو نا قابل انکار اور دل کو لگتا ہے۔

الٰہ پر الف لام لگایا گیا الالٰہ ہوا۔ الف تخفیفاً گرا دیا گیا۔ اور لام میں مدغم ہوا۔ اللہ ہوا۔ اب لفظ اللہ خدائے تعالیٰ کا علَم اور شخصی نام ہو گیا ہے چنانچہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ سے بھی علمیت معلوم ہوتی ہے، جس سے توحید شخصی کا اثبات ہوتا ہے۔

اَحَدٌ۔ واحد، ایک، احد، بالکل ایک۔ احد مرتبۂ ذات پر دلالت کرتا ہے جو نا قابل تقسیم ہے اس سے معلوم ہوا کہ نہ اس کے اجزا بالقوہ ہیں نہ بالفعل، نہ اجزاء عقلیہ ہیں نہ اجزاء خارجیہ۔ وہ ایک ہے اور بالکل ایک، سراسر ایک۔ نہ اس کی جنس ہے نہ فصل۔ نہ اس کے ٹکڑے اور اعضا ہیں۔ اس کی ذات مقدسہ میں کثرت کو دخل ہی نہیں جب وہ احد ہے، کثرت کو اس کی ذات میں دخل ہی نہیں، تو خدا اور غیر خدا میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ پھر کدھر اس کے ماں باپ، کہاں جورو بچے یا کوئی برابر والا

صوفیۂ صافیہ کی اصطلاح میں وجود حقہ کے چار اعتبار ہیں:-

احدیت، سب سے پاک، ذات محض۔

وحدت، قابلیت کثرت۔ ان قابلیات کو شئون کہتے ہیں۔

واحدیت، مرتبۂ صفات۔

وحدت مطلقہ۔ ان تینوں اعتبارات سے عام اعتبار۔

ہو الاول والآخر والظاہر والباطن کو دیکھو۔ اول احدیت پر دلالت کرتا ہے۔ آخر واحدیت پر -- ہو وحدت مطلقہ پر۔ اسی طرح الظاہر واحدیت پر دلالت کرتا ہے۔ الباطن احدیت پر۔ اور ہو

وحدت مطلقہ پر۔ وحدت میں شئون دو قسم کے ہیں۔ شئون الٰہیہ، شئون خلقیہ۔ یا یوں کہو کہ شئون مؤثرہ شئون متاثرہ۔ واحدیت میں معلومات کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ اعیان بھی دو قسم کے ہیں۔ اعیان الٰہیہ مؤثرہ۔ اعیان کونیہ یا مخلوقہ یا متاثرہ۔ دنیا کا سارا منڈل ان اعیان کونیہ پر اعیان الٰہیہ کی تجلی سے قائم ہوا ہے۔ ہماری حقیقت کے لحاظ سے دیکھو تو ہم مردہ ہیں، اندھے بہرے اپاہج گونگے بے حس خدائے تعالیٰ کی حیات کی تجلی ہی سے ہم زندہ ہیں سمیع اور بصیر کے پرتو سے ہم دیکھتے ہیں۔ قدیر و مرید و کلیم کے اثر سے بالارادہ چلتے پھرتے اور بولتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھو کہ صوفیہ کے نزدیک وجود، وجودِ خارجی کو کہتے ہیں۔ اور ثبوت، وجود علمی کو۔

اللّٰہ الصمد۔ صمد کے کئی معنی ہیں۔ ٹھوس، مضبوط، ناقابل تغیر۔ وہ جو علت العلل ہو بھلا وہ کیونکر متغیر ہوگا؟ محل تغیر تو ممکنات ہیں، مخلوقات ہیں۔ ان کے تغیرات کے علل و اسباب ہیں۔ واجب الوجود کے سوا ہے کیا کہ علت ہو۔

صمد کے دوسرے معنی ہیں سردار، جو علت العلل ہو، بالذات موجود ہو، وہ کیونکر سردار اور مالک نہ ہوگا۔

صمد کے تیسرے معنی ہیں بے نیاز، بے حاجت، صمدت الناقۃ (کھانے پینے سے ناقہ بے نیاز ہو گیا) ظاہر ہے کہ علت العلل کو سب سے مستغنی ہونا چاہئے، اور سب اس کے محتاج ہونے چاہئیں۔ یہاں ایک امر قابل توجہ ہے۔ اضافیات میں مضاف کی ضرورت ہے مثلاً خالق کا لفظ اسی وقت صادق آئے گا جب کہ مخلوق ہو۔ اسی طرح رب کے لیے مربوب کی ضرورت ہے پس صمدیت کہاں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کے استغنا سے استغنائے ذاتی مراد ہے۔ یہ تو ایسا ہے کہ گدا بادشاہ کو کہے کہ اے مالک! اے سخی! مانتا ہوں کہ میں تیرا سراپا محتاج ہوں۔ کھانے پینے میں۔ امن چین سے رہنے میں۔ مگر تو بھی تو اپنے اظہار سخاوت میں میرا محتاج ہے۔ اصل یہ ہے کہ اضافیات و سلبیات صفاتِ ذاتیہ میں سے نہیں ہوتے۔ نہ ان کے ظہور سے

ذات میں کچھ ترقی ہوتی ہے۔ نہ ان کے عدم ظہور سے ذات میں کچھ کمی ہوتی ہے۔ نیز ظہور صفت کے حدوث سے اصل صفت کا حدوث لازم نہیں آتا۔ ظہور کمالات کے لحاظ سے کلَّ یوم ھو فی شان ہے مگر ذات صفات واصل کمالات کے لحاظ سے الآن کما کان ہے۔

لم یلد ولم یولد۔ نہ اس کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ نہ ماں باپ۔ جب ثابت ہو گیا کہ وجود بمعنی ما بہ الموجودیت عین ذات حق ہے، نہ اس سے پہلے کوئی ہے، نہ اس کے بعد کوئی۔ نہ اس کا مثل کوئی ہے۔ نہ اس کے مقابل کوئی۔ تو اس کے ماں اور باپ کیسے ہو سکتے ہیں، اور اولاد کیونکر ہو سکتی ہے۔ ماں باپ اولاد سے پہلے ہوتے ہیں۔ ماں باپ اور اولاد میں مماثلت اور مشابہت ہوتی ہے۔ بھلا وجود سے پہلے کون ہو سکتا ہے۔ اور وجود کے مماثل کون؟ وجود حقیقی اور وجود بالعرض میں کیا مماثلت ہے؟ چودھویں رات کا چاند خوب چمک دکھائے، مگر ایک دانا کی نظر میں ہے وہی کالا توا۔ عدم ظلمت ہے، وجود نور ہے۔ وجود ہی علم ہے، وجود ہی کمال ہے ؎

اے ذات تو مجمع الکمالات — میں بھی ہوں کمال بے کمالی

عدم کے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ جو کچھ ہے وجود کا کرشمہ ہے۔ علم کے مطابق قدرت کا تماشا ہے۔ ممکن جس کا عدم وجود برابر ہے وہ نہ پہلے کچھ تھا نہ اب کچھ ہو گا۔ بالعرض پر کچھ ایسی نظر جم گئی ہے کہ بالذات کی طرف راستہ ہی نہیں ملتا

کاخ وحدت کا بن گیا دربال — وہم باطل بھی کیا قیامت ہے

ولم یکن لہٗ کفواً احدٌ کوئی اس کا کفو نہیں ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وجود کا مقابل کوئی نہیں۔ ہو سکتا تھا تو عدم ہو سکتا تھا۔ مگر عدم کیا ہو گا۔ ہونا تو وجود کا کام ہے اور وجود عین ذاتِ حق ہے۔ پھر نادار یا مفلس ممکن و عدم کے پاس کیا دھرا ہے کہ ہو، اور ہو بھی ایسا کہ اس کا مقابل ہو۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ وجود کا کفو کوئی نہیں۔ وہ بے مثل ہے، بے نظیر ہے، وحدہٗ لاشریک لہٗ۔

اللھم ارنا حقایق الاشیاء کما ھی، توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین۔ اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ